Al-Qawārīr - Vol: 03, Issue: 03,
April – June. 2022

OPEN ACCESS
Al-Qawārīr
pISSN: 2709-4561
eISSN: 2709-457X
journal.al-qawarir.com

مزاح کا تفریحی تصور ازواج مطہرات کے آپس میں مزاح کی روایات کا مطالعہ

Humor as an entertainment: Special Study of the Traditions of Humor among the Wives of Prophet Muhammad (PBUH)

Ehtasham-ul-Haq*
Ph.D Research Scholar Allama Iqbal Open University Islamabad

ABSTRACT

Humor as an entertainment is a vital part of human life and his nature. A man can't be in serious statement all the time. So as a part of nature and life and as a religion of nature, Islam does encourage to be happy and joyful and hopeful not to be annoying and serious all the time. Life of Prophet Muhammad(Peace and Blessing be on Him) and environment of his house regarding this matter is an example and role model for other humanity so as the life of Prophet(PBUH)'s wives and their interaction with each other and dealing with Prophet(PBUH). There are several stories of Prophet Muhammad(PBUH)'s wives(May Allah be Pleased with them all) which show the manifestation of humor as an entertainment. Their stories provide a great guidance and set rules of humor for others and give information about the nature of humor of then Arab society. It is noteworthy that these stories denote that how extent the nature of humor is change with long gap of time and history. The study aims to explore the humorous interaction among the Wives of Prophet(PBUH)(May Allah be Pleased with them all) and to analyze them for the purpose of Da'wah.

Keywords: *Wives of Prophet(PBUH)(May Allah be Pleased with them all), humor, traditions, analysis*

cc BY

تمہید

اسلام نے اس بات کا پورا خیال رکھا ہے کہ کسی عورت کے ساتھ صرف عورت ہونے کی بنیاد پر ناانصافی نہ ہونے پائے۔ نہ اس کی صلاحیتیں کچلی جائیں اور نہ اس کی شخصیت کو دبایا جائے۔ اللہ کے رسول نے کوشش کی کہ اسلام نے انسانوں کو جو حقوق دیئے ہیں ان سے مرد بھی واقف ہوں اور عورتیں بھی۔ دونوں اپنے حقوق حاصل کریں اور اپنے اپنے فرائض کو اپنے دائرۂ اختیار میں بخوبی ادا کریں۔ حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں: عورتوں نے نبی کریم سے کہا کہ آپکے حضور میں ہمیشہ مردوں کا ہجوم رہتا ہے اس طرح ہم خاطر خواہ آپ سے استفادہ نہیں کرپاتیں، چنانچہ آپ ایک وقت متعین کر کے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ وعظ و نصیحت فرمائی اور انہیں نیک کاموں کا حکم دیا۔ پھر آپ نے مسجد میں عورتوں کیلئے الگ وقت مقرر کیا جس میں عورتیں آپسے آکر مختلف مسائل پر گفتگو کرتیں۔ رسول اللہ نے خواتین کو مسجد میں آکر نماز ادا کرنے کی اجازت دی اور فرمایا: مسلمان عورتوں کو مسجد میں آنے سے مت روکو۔ اسلام نے مرد اور خواتین کو باہم ایک دوسرے کے ولی اور نیکی کے کاموں میں معاون قرار دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست اور معاون ہیں، اچھے کام کی تلقین کرتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، اللہ اور اسکے پیغمبر ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں، جن پر اللہ رحم فرمائے گا، بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

آج اسلام کو بدنام کرنے کی سازشیں کی جارہی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ خواتین کو ان کے حقوق سے واقف کرایا جائے تاکہ وہ انہیں جانیں۔ آج خواتین کا دین اور شریعت کے سلسلے میں علم بہت محدود ہے اس لئے عائلی مسائل کھڑے ہوگئے ہیں اور اسی وجہ سے خواتین کا استحصال ہوتا ہے۔ عورت کو اسلام نے مختلف امور میں جو حقوق دیئے ہیں۔ ان کی فہرست طویل ہے البتہ مختصر طور پر ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔ یہ تین بنیادی شرطیں ہیں جو شریعت نے تفریح کے لیے رکھی ہیں۔ اسراف و تبذیر سے اجتناب ہو، حیاکے حدود کے مطابق ہو، مقاصد شریعت سے تجاوز اور تجاہل نہ کیا جائے۔ ان حدود کے اندر جو تفریح بھی ہوگی، وہ جائز ہے، بغیر کسی ردوقدح کے آپ اسے جائز سمجھیں۔ ابنِ منظور آفریقی نے لسان العرب میں مزاح کا لغوی معنیٰ یوں بیان کیا ہے۔ **المزاح لغة هو الدُّعابة، وهو نقيضُ الجِدِّ من مزَح يمزَح مَزحًا ومِزاحًا ومُزاحًا ومُزاحة وقد مازحه ممازحة ومِزاحًاوالاسم المزاح والمزاحة** [1] جبکہ اس کا اصطلاحی معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھا: **واصطلاحًا المبَاسطة إلى الغيرعلى جهة التَّلطُّف والاستعطاف، دون أذيَّة۔**

ازواج مطہرات کے آپس میں مزاح

حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ ایک بار حضرت سودہؓ میرے پاس آئیں، رسول اللہ ﷺ ہم دونوں کے درمیان اس طرح بیٹھ گئے کہ آپ کا ایک پاؤں میری گود میں تھا اور ایک پاؤں ان کی گود میں، میں نے ان کے لئے حریرہ بنایا اور ان سے کھانے کو کہا، انھوں نے انکار کیا، میں نے کہا: یا تو آپ کھائیں یا میں آپ کے چہرے پر مل دوں گی، انھوں نے پھر انکار کیا تو میں نے پیالے میں سے تھوڑا سا حریرہ لے کر ان کے چہرے پر مل دیا، آپ نے ان کی گود سے اپنا پاؤں ہٹالیا؛ تاکہ وہ بھی مجھ سے بدلہ لے سکیں؛ چنانچہ انھوں نے بھی تھوڑا سا حریرہ لے کر میرے چہرے پر بھی مل دیا، رسول اللہ ﷺ اس منظر کو دیکھتے اور ہنستے رہے۔[2] تفریح کا تصور ہر زمانے اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے البتہ ہر قوم اپنی تہذیب وتمدن کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کا اہتمام کرتی رہی ہے، مثلاً رقص، ڈرامے، موسیقی، گانے اور مختلف طرح کے کھیل کود وغیرہ۔ اور کچھ اقوام میں تو تفریح کے ان مظاہر کو مذہبی حیثیت بھی حاصل ہے اور کچھ اقوام میں اس کا تعلق صرف ثقافت سے ہے۔

لیکن عصر حاضر میں نت نئی ایجادات نے تفریح کا تصور بالکل ہی تبدیل کر دیا ہے۔ عمومی طور پر زمانہ ماضی میں تفریح کا تصور جسمانی تربیت و نشوونما کے ساتھ وابستہ تھا اور بغور جائزہ لیا جائے تو زمانہ ماضی میں تفریح و کھیل کے جتنے بھی مظاہر تھے ان سب میں یہی پہلو اجاگر تھا، یہاں تک کہ گھریلو خواتین کے کھیل بھی اسی نوعیت سے تعلق رکھتے تھے اس کے بالکل برخلاف جدید ایجادات جیسے ڈش، کیبل، ٹیلی ویژن، کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور اسمارٹ موبائل فونز جن کو ذرائع ابلاغ بھی کہا جاتا ہے نے تفریح کے تصور کو بہت وسیع بنادیا ہے اور اس وسعت نے سب سے پہلے سابقہ تصور تفریح میں موجود اجتماعیت کو ختم کر دیا اور انفرادیت کو رائج کیا۔ اور المیہ تو یہ ہوا کہ ان وسائل کے ذریعہ پیش کیے جانے والے پروگرام جس میں فلمیں، کارٹونز، کھیل، گانے، فیشن اور ٹی وی شو وغیرہ کو بھی تفریح کا نام دے دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت تہذیبی جنگ میدان میں یا اسلحے کے ساتھ نہیں لڑی جارہی بلکہ عقیدہ اور اخلاق کے میدان میں لڑی جارہی ہے اور تفریح کے نام پر غیر اسلامی تہذیب و ثقافت کو فروغ دیا جارہا ہے۔ اسلام صرف عقائد کے باب میں میانہ روی یا اعتدال پرستی کا تعلق تمام شعبہ حیات سے ہے اور اس کا یہی خاصہ بھی ہے، اور اس کی دوسری سب سے بڑی خوبی اس کے کسی بھی ضابطے کا تعلق غیر فطری یا غیر عقلی تصورات سے نہیں، یعنی کہیں بھی اس نے انسان کی جائز ضروریات پر کوئی قدغن نہیں لگائی البتہ کچھ اصول وضوابط کے ذریعے اس کی حدبندیاں ضرور کر دیں تاکہ فساد بپا نہ ہو۔

مزاح کا شرعی حکم

اسلام کے تصور تفریح کی اساس قرآنی تعلیمات اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ جس میں حلال و حرام، شرم وحیا اور اخلاقی پابندیوں کو اہم مقام حاصل ہے۔ ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نمونہ ہے۔ آپ جہاں ایک طرف اتنی نمازیں پڑھتے تھے کہ قدمِ مبارک پر ورم آجاتا تھا وہیں آپ صحابہ کرام سے ہنسی مذاق اور دل لگی بھی کرتے تھے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ اسلام سستی اور کاہلی کو ناپسند اور چستی اور خوش طبعی کو پسند کرتا ہے۔ شریعت کی تعلیمات اس امر کا تقاضہ کرتی ہیں کہ مسلمان شریعت کے

تمام احکام پر خوشی خوشی عمل کرے۔ یہ عمل تنگ دلی کے ساتھ نہ ہو کیوں کہ سستی اور تنگ دلی کے ساتھ عبادات کو انجام دینا نفاق کی علامت ہے۔ باری جل وعلا نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ [3] منافقین جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی اور کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں"۔

رسول اللہ ﷺ کا مزاح

حضرتِ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ":اے اللہ کے رسول! مجھے سواری فراہم کریں"رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:**عن انس بن مالك، ان رجلا استحمل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني حاملك على ولد الناقة، فقال: يا رسول الله، ما اصنع بولد الناقة؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" وهل تلد الإبل إلا النوق "، قال ابو عيسى: هذا حديث حسن صحيح غريب۔** [4] انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کی درخواست کی، آپ نے فرمایا: "میں تمہیں سواری کے لیے اونٹنی کا بچہ دوں گا"، اس آدمی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں اونٹنی کا بچہ کیا کروں گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بھلا اونٹ کو اونٹنی کے سوا کوئی اور بھی جنتی ہے؟"۔

عن انس بن مالك، ان النبي صلى الله عليه وسلم قال له: " يا ذا الاذنين "، قال محمود: قال ابو اسامة: يعني مازحه۔ [5]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "اے دو کان والے!" محمود بن غیلان کہتے ہیں: ابواسامہ نے کہا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مزاح کیا۔

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں : میں ایک مرتبہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ کے سامنے روٹی اور کھجوریں تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا" قریب آجاؤ اور کھاؤ"۔ چنانچہ میں کھجوریں کھانے لگا، مجھے آشوب چشم تھا اور میری ایک آنکھ سرخ تھی۔ آپ ﷺ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا": کھجوریں کھا رہے ہو حالانکہ تمہاری آنکھ خراب ہے" میں نے عرض کیا اللہ کے رسول ﷺ میں اس آنکھ کی طرف سے نہیں کھا رہا ہوں جس میں مرض لاحق ہے، بلکہ دوسری جانب سے کھا رہا ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ میرے بات سن کر مسکرانے لگے۔ ایک موقع پر فرمایا تھا: **لا تدخل الجنة عجوز۔** [6] یعنی "بوڑھیا جنت میں نہیں جائیں گی"، جس کا مطلب یہ تھا کہ جنت میں داخل ہوتے وقت ہر عورت نوجوان ہو گی، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان: **إني حاملك على ولد الناقة** کا بھی حال ہے، مفہوم یہ ہے کہ اگر کہنے والے کی بات پر غور کر لیا جائے تو پھر سوال کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ ایک بوڑھی عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ اللہ تعالیٰ سے فرما دیں کہ وہ مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: اے فلاں کی ماں! جنت میں کوئی بوڑھی عورت داخل نہیں ہو سکتی"۔ بڑھیا یہ سن کر رنجیدہ ہو گئی

اور روتے ہوئے واپس ہوئی۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اس خاتون کو خبر دو کہ وہ بوڑھی ہونے کی حالت میں جنت میں داخل نہیں ہو گی (بلکہ جوان ہو کے داخل ہو گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم نے ان (اہلِ جنت کی بیویوں) کو خاص طور پر بنایا ہے اور ہم نے انہیں کنواریاں بنایا ہے۔ محبت والی اور ہم عمر ہیں۔[7]

تفریح کا تصور

اسلام میں تفریح سے مراد کوئی ایسی سرگرمی جو فرصت کے لمحات میں اپنے آپ کو محظوظ یا مسرور کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔(Entertainment) تفریح کا لفظ دراصل عربی زبان کا لفظ ہے جو "فرح" سے مشتق ہے جس کے معنی گپ شپ، دل لگی، خوشی و مسرت، فرحت اور اطمینان وغیرہ حاصل کرنے کے آتے ہیں۔ فرح کے بارے میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: **الفرح لذة تقع في القلب بإدراك المحبوب۔**[8] کہ محبوب چیز کے پالینے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، اسی کو فرحت اور خوشی کہتے ہیں۔ اگر یہ فرحت محض قلبی ہو اور احساس نعمت یعنی شکر گذاری سے تعبیر ہو اور اس کے فضل و کرم کے استحضار پر مبنی ہو تو وہ شرعاً مطلوب، مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ بے تکلفی کا کھیل اسلام کی نظر میں مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ ممکن ہے بعض کو گراں گزرے کہ اس سے عورت سر پہ چڑھ جائے گی، مگر عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ کے ساتھ تھی۔ میں نے آپ سے دوڑ لگائی اور آگے نکل گئی۔ کچھ عرصہ بعد پھر ایک سفر میں، میں نے رسول اللہ کے ساتھ دوڑ لگائی، اب میرے جسم پر گوشت چڑھ گیا تھا، تو آپ مجھ سے آگے نکل گئے اور آپ نے فرمایا یہ اس کے بدلہ میں ہے۔

تفریح کا مفہوم

جس کو ہم تفریح کہتے ہیں، اس کے لغوی معنی کیا ہیں؟ تفریح کے لغوی معنی ہیں دل کو فرحت بخشنا۔ آپ گرمی کے موسم میں کہیں دور سے آرہے ہوں، سخت تکان اور پیاس ہو اور کسی اچھے شربت کا ایک ٹھنڈا گلاس پی لیں تو دل کو ایک فرحت پہنچتی ہے، خوشی اور مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ اس کیفیت کے فراہم کرنے کو تفریح کہتے ہیں۔ جس طرح جسم کی تفریح ہوتی ہے، عقل کی تفریح بھی ہوتی ہے، ذہن کی تفریح بھی ہوتی ہے، جذبات واحساسات کی تفریح بھی ہوتی ہے، دل کی تفریح بھی ہوتی ہے اور یہ تفریح انسانی مزاج، انسانی طبیعت، انسانی جذبات واحساسات کو regenerate کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ انسان ایک ماحول سے اکتا جاتا ہے، بعض اوقات ماحول کی یکسانیت اسے بور کر دیتی ہے، وہ پریشان ہو جاتا ہے، اس بنا پر ماحول میں جدت پیدا کرنے کے لیے اسے کچھ کرنا پڑتا ہے۔ عربی کا ایک جملہ ضرب المثل ہے: کل جدید لذیذ، ہر جدید لذیذ ہوتا ہے، ہر نئی چیز میں ایک لذت ہوتی ہے۔ انسان کا مزاج یہ ہے کہ وہ ہر نئی چیز کو حاصل کرنا چاہتا ہے، اس لیے کہ وہ نئی چیز میں لذت محسوس کرتا ہے۔ اگر کسی پرانی چیز کو بھی نئے انداز سے پیش کیا جائے تو اس میں بھی ایک نیا پن محسوس ہوتا ہے۔ آپ گھر میں جائیں اور گھر کے فرنیچر کو ایک نئے انداز سے ترتیب دے دیں، اس کی تشکیل بدل دیں تو کمرہ نیا معلوم ہونے لگے

گا۔ پرانی کتابیں نکالیں، انہیں نئی ترتیب دے دیں، ان کی نئی جلدیں بنوالیں تو آپ کو اس میں ایک نیا پن اور اپنائیت محسوس ہونے لگے گی، ایک خوشی محسوس کریں گے۔ آپ لباس کی تراش خراش میں تھوڑی جدت پیدا کرلیں تو آپ کو اچھا لگے گا، خوشی محسوس ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا[9] آپ کہہ دیجیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور مہربانی سے ہے، تو چاہیے کہ وہ لوگ خوش ہوں۔" دوسری جگہ ارشاد ہے: فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ [10] جنتی لوگ خوش ہوں گے، ان نعمتوں پر جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے عطا کی ہیں"۔ ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: رَوِّحُوا الْقُلُوْبَ سَاعَةً[11] کہ دلوں کو وقتاً فوقتاً خوش کرتے رہا کرو۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: القلوب تمل كما تمل الأبدان فابتغوا لها طرائف الحكمة [12] ترجمہ: "دل اسی طرح اکتانے لگتا ہے، جیسے بدن تھک جاتے ہیں، لہٰذا اس کی تفریح کے لیے حکیمانہ طریقے تلاش کیا کرو"۔

اسلام میں تفریح کا تصور اور اُس کے متعلق روایات

اسلام نے تفریح کے جو مواقع بتائے ہیں، ان میں ذاتی مواقع، ملی اور قومی سطح کے مواقع اور علاقائی سطح پر ہر خوشی اور جائز کامیابی کے مواقع شامل ہیں جو شریعت کی حدود کے اندر ہوں۔ ان کی خوشی منانے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرنے کا اہتمام نہ صرف جائز ہے، بلکہ قرآن مجید کے بالواسطہ اشارے کے مطابق مسنون اور بہتر ہے: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوا[13] اللہ کے فضل کو یاد کر کے خوشی کا اظہار کرو، فرحت کا اظہار کرو۔ یہی تفریح ہے۔ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ [14] اللہ تعالیٰ جو نعمت عطا کرے، اسے بیان کرو۔ کیونکہ جب نعمت کو بیان کروگے تو نعمت کی قدر ہوگی، ورنہ بھول جاؤ گے کہ اللہ نے یہ نعمت تمھیں عطا کی ہے۔ اگر اللہ کی نعمت کا اظہار دوسروں کے سامنے نہیں کروگے تو یاد نہیں رہے گا کہ اللہ نے بڑی نعمت دی تھی۔14

تفریح اور تہوار جیسا کہ میں نے عرض کیا، ایک فطری ضرورت ہے اور ہر انسان کسی خاص موقع پر خوشی منانا چاہتا ہے، لیکن اگر خوشی اور تفریح حدود سے نکل جائے گی تو اس سے اخلاقی، معاشی، معاشرتی بہت سی قباحتیں پیدا ہوں گی۔ ایک قباحت کا ابھی ذکر ہوا۔ لاہور میں بسنت کے موقع پر چند سال پہلے ۲۲ افراد ہلاک ہوئے اور چالیس پچاس کروڑ روپے ضائع ہوئے۔ اس طرح کا کوئی تہوار اسلام نے نہیں رکھا۔ اسلام نے تہوار اور تفریح کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے۔ ایک تہوار تو وہ ہے جو ایک متعین دن منایا جائے اور ساری امت اور ساری قوم مل کر اس میں شریک ہو اور اپنی خوشی و مسرت کا اظہار کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لکل قوم عید وھذا عیدنا (صحیح بخاری) ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے، ہماری عید یہ ہے جو ہم منا رہے ہیں۔ کچھ کھیل تو لڑکوں اور لڑکیوں کے مابین مشترکہ ہوا کرتے تھے لیکن کچھ کھیل صرف لڑکیاں آپس میں اپنی ہم جولیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں اور یہ کھیل عمومی طور پر گڑیوں اور دوسرے کھلونوں کے ساتھ ہوا کرتا تھا یہ نسوانی جبلت کے عین مطابق ہوتا ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا گڑیوں کے ساتھ کھیلنے کا ذکر بعض صحیح احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے اور ان میں سے بعض کھیلوں میں تو خود رسول اللہ ﷺ تو بنفس نفیس دلچسپی لیا

کرتے تھے جیسا کہ یہ روایات صحیح بخاری، سنن ابو داود وغیرہ میں مذکور ہیں۔ قاضی عیاض اسی سے ایک فائدہ اخذ کرتے ہیں کہ اس طرح کے کھیلوں سے بچیوں میں خانگی تربیت کا موقع ملتا ہے۔ اسی طرح جھولا جھولنا بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے مذکور ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل از نکاح انہیں جب بلایا گیا تھا تو اس وقت وہ جھولا جھول رہی تھی۔[15]

اسلام کا تصور تفریح

اسی طرح سے آپ غور کریں کہ جتنے تہوار ہیں جن مواقع پر انسان تفریح مناتے ہیں، ان میں سے کسی موقع کو اللہ تعالیٰ نے تفریح کے لیے یا تہوار کے طور پر اختیار نہیں کیا۔ اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے: لکل قوم عید وھذا عیدنا۔ ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور ہماری عیدیں یہ دو ہیں یعنی عید الفطر اور عید الاضحی۔ آپ دیکھیں کہ نہ کسی بادشاہ کی تخت نشینی سے ان کا تعلق ہے، نہ کسی جنگ میں کامیابی سے تعلق ہے، نہ کسی ریاست و سلطنت کے قیام سے تعلق ہے، نہ کسی خاندان کی حکمرانی سے تعلق ہے کہ فلاں خانوادۂ شاہی کا عہد شروع ہو گیا، نہ کسی بڑے آدمی کی پیدائش و وفات سے تعلق ہے۔ ان دونوں عیدوں کا تعلق دو خالص اصولوں سے ہے، دو ایسے اصول جو انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا ہمیشہ ممتاز ترین وصف رہے ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی الٰہی کا نزول، قرآن مجید کی عطا جس کے شکر میں عید الفطر منائی جاتی ہے اور دوسرے اللہ کے حضور اتنی بڑی قربانی کہ اس سے بڑی قربانی کسی انسان نے کبھی نہیں دی، اس کی یاد میں عید الاضحی منائی جاتی ہے۔ ایک کاز کے لیے، اللہ کے حکم کے لیے اپنی عزیز ترین چیز کی قربانی دینے کی جو مثال قائم ہوئی، عید الاضحی اس کی یادگار ہے۔ گویا تفریح کا تعلق بھی اور تہوار کا تعلق بھی نظریے اور اصول کے ساتھ ہے۔

نظریہ، اصول اور تفریح، یہ آپس میں اس طرح سے باہم مربوط ہیں کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ بظاہر اس میں آپ کو کوئی خاص معنویت معلوم نہیں ہو گی۔ آدمی سوچ سکتا ہے چلیے مسلمان بڑے مذہبی قسم کے لوگ تھے، انہوں نے کسی حکومت کے قیام پر نہیں، قرآن کے نزول پر جشن منایا، اس میں کون سی خاص بات ہے؟ لیکن درحقیقت اس میں بڑی خاص بات پوشیدہ ہے۔ تفریح کرنے کے مواقع ہم نے دیکھ لیے کہ کیا کیا ہوتے ہیں۔ یہ تو قومی مواقع ہوئے۔ اس کے بعد انفرادی مواقع ہوتے ہیں کہ فرد کو خوشی ہوتی ہے۔ کسی کی شادی ہے، اس کو خوشی ہوئی۔ کسی کو اللہ نے بیٹا دیا، خوشی ہوئی۔ کسی کو کامیابی ہوئی، اچھی ملازمت مل گئی، کاروبار میں ترقی ہو گئی، اس طرح کے ذاتی مواقع بہت آتے رہتے ہیں اور ہر ذاتی موقع پر انسان خوشی کا اظہار کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اس کی تلقین فرمائی بلکہ خود بھی اس پر عمل کر کے دکھایا۔ گویا مواقع دو طرح کے ہوئے: قومی، ملی اور اجتماعی مواقع جو شریعت نے دو رکھے ہیں، یعنی عید الفطر اور عید الاضحی جن کا تعلق دو بڑے اصولوں سے ہے۔ اس کے بعد انفرادی مواقع جو ہر فرد کی زندگی میں پیش آتے ہیں اور مشہور ہیں۔ شادی بیاہ ہے، پیدائش ہے، ملازمت ہے، کاروبار ہے، مکان نیا بنایا ہے، اس طرح کے اور کئی معاملات ہو سکتے ہیں۔

کچھ اور مواقع بھی ہوسکتے ہیں جو ان دونوں کے درمیان میں ہیں۔ مسلمانوں کے ایک بہت بڑے گروہ کو کسی بات پر خوشی ہوئی، مثلاً قیام پاکستان ہے، یہ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے خوشی کا موقع ہے۔ مصر کے مسلمان ہیں، انہیں ۱۹۷۳ء میں اللہ تعالیٰ نے اسرائیل پر فتح دی۔ ۶/اکتوبر کو وہ جشن مناتے ہیں۔ ایک بڑے دشمن پر اللہ نے انہیں کامیابی دی، اس پر وہ خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ عارضی یا علاقائی قسم کے مواقع ہوسکتے ہیں، شریعت ان سے نہیں روکتی۔

تفریح کی حدود وقیود

لیکن ان دو تہواروں کے علاوہ ویسے بھی انسان کا کبھی کبھی یہ جی چاہتا ہے کہ اپنے عام معمولات اور ماحول سے نکل کر کسی نئے ماحول میں جائے، کسی نئی کیفیت کو محسوس کرے اور چوں کہ جدت کے احساس میں لذت ہے، اس لذت سے اپنی قوتوں، حوصلوں، اپنے مزاج کو تازہ کرے، دماغ کو تازہ ہوا دے، یہ ہر انسان چاہتا ہے۔ یہ بات اگر حدود کے اندر نہ ہو تو عملاً ممکن نہیں ہے۔ انسانوں کی ہر سرگرمی کے لیے حدود درکار ہیں۔ یہ ایسی واضح اور بدیہی بات ہے جس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ ہر مسلم، غیر مسلم اس کو تسلیم کرے گا کہ ہر انسان کی خواہش کی تکمیل کو حدود کا پابند ہونا چاہیے۔ اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ حدود کی پابندی ضروری نہیں ہے تو وہ غلط کہتا ہے۔ ہر خواہش کی تکمیل حدود کا تقاضا کرتی ہے۔ میری خواہش ہے کہ مجھے مزیدار سے مزیدار کھانے ملیں، لیکن اس کی حدود ہونی چاہییں۔ اگر اس کی حدود نہ ہوں تو میں آپ کے گھر میں گھس جایا کروں اور جو اچھا کھانا ملا کرے، کھا جایا کروں۔ ظاہر ہے کہ اس کو کوئی بھی پسند نہیں کرے گا۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کے پاس بڑی اچھی گاڑی ہو۔ اگر کوئی حدود کا پابند نہ ہو تو ہم میں سے ہر شخص باہر نکلے اور جو اچھی گاڑی نظر آئے، اسے ڈرائیو کر کے چلتا بنے۔ ظاہر ہے اس کو کوئی پسند نہیں کرے گا۔

اس لیے حدود ہونی چاہئیں، اخلاقی حدود ہونی چاہئیں۔ ہر نوجوان شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی ازدواجی زندگی اچھی گزرے، اچھی خاتون کے ساتھ گزرے۔ اس خواہش کو حدود کا پابند نہ بنایا جائے تو معاشرہ جنگل بن جائے گا۔ ہر نوجوان خاتون کی خواہش ہے کہ اس کے گھر کا اچھا ماحول ہو، اس کا اپنا گھر ہو، اس کا شوہر ہو، اس کے بچے ہوں، لیکن اگر اس کو اخلاقی حدود کا پابند نہیں بنایا گیا تو معاشرہ بداخلاقی کے سیلاب میں بہہ جائے گا۔ اس لیے یہ بات کہ انسان کی خواہشات بلکہ جائز خواہشات کو بھی حدود کا پابند ہونا چاہیے، یہ دنیا کا ہر سلیم الطبع انسان تسلیم کرے گا۔ کوئی سلیم الطبع انسان اس سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ اگر وہ اختلاف کرتا ہے تو وہ سلیم الطبع انسان نہیں ہے۔ اس سے بات کرنا بے کار ہے۔

جب یہ بات مان لی گئی کہ ہر انسان اپنی خواہشات کو حدود میں رہ کر ہی پورا کرنے کا پابند اور مکلف ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ حدود کیا ہیں اور ان حدود کو کون مقرر کرے گا؟ میں مقرر کروں گا یا آپ؟ اگر میں آپ کے لیے مقرر کروں تو میں کون ہوتا ہوں آپ کے لیے یہ حدود مقرر کرنے والا؟ مجھے آپ پر کیا فضیلت حاصل ہے کہ میں آپ کے لیے اس قسم کی حدود مقرر کروں؟ اور اگر آپ مقرر کریں تو یہی سوال میں کر سکتا ہوں کہ آپ کو یہ حدود مقرر کرنے کا کیا اختیار حاصل ہے؟ آپ کو کیا برتری حاصل ہے اور میں آپ کی مقرر کردہ حدود کا

پابند کیوں ہوں؟ یا کوئی اور ہمارے لیے کرے تو کیوں کرے؟ اس لیے کہ جو شخص بھی یہ حدود مقرر کرے گا، اس کے اپنے خیالات ہوں گے، وہ اپنی تحدیدات سے محدود ہو گا، اس کا تجربہ محدود ہو گا، اس کا اپنا مخصوص پس منظر ہو گا، وہ کوئی بسنت کا رسیا ہوا تو بسنت کے بڑے احکام وضع کر دے گا اور کوئی رام لیلا کا رسیا ہوا تو اس کو منانے کی گنجائش پیدا کرے گا اور بہت خشک آدمی ہوا تو جائز تفریح کے راستے بھی بند کر دے گا، اس لیے کسی انسان کو یہ حدود مقرر کرنے کا فریضہ سونپنا بڑا خطرناک ہے۔ اگر وہ اچھی حدود بھی مقرر کر دے تو وہ حدود چند مہینے، چند سال، چند عشرے چلیں گی، اس کے بعد وہ از خود حالات سے غیر متعلق ہو جائیں گی، بے کار ہو جائیں گی۔ جب وہ حالات بدل جائیں گے، زمانہ تبدیل ہوا تو وہ حدود بھی بدلنی پڑیں گی۔ پھر کیا ہو گا؟ اس لیے بہتر ہے بلکہ ضروری ہے کہ یہ حدود کوئی ایسی قوت مقرر کرے جو موجودہ تحدیدات سے محدود نہ ہو، جو موجودہ قیود سے مقید نہ ہو، جو زمان و مکان سے ماوراء ہو، جو کسی کے مفاد سے متاثر نہ ہو، جس کے پیش نظر کسی خاص گروہ یا فرد کی مصلحت نہ ہو، جو سب کو یکساں نظر سے دیکھتی ہو، جس کی نظر میں کالا اور گورا سب برابر ہوں، جس کی نظر میں غریب اور امیر میں کوئی فرق نہ ہو۔ وہ صرف خالق کائنات ہی ہو سکتا ہے، اس لیے اس طرح کی حدود جو سارے انسانوں کے لیے ہوں اور سارے انسان اس پر یکساں طور پر عمل کر سکتے ہوں، وہ حدود خالق کائنات ہی مقرر کر سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین کی کہ جائز خوشی اور مسرت کے جو بھی جائز مواقع و وسائل موجود ہیں بغیر اسراف کے، بغیر تبذیر کے، بغیر اخلاقی، انسانی اور شرعی حدود کو توڑے جو بھی طریقہ ہو، اس کو اختیار کر سکتے ہیں، چنانچہ بتایا گیا کہ بہترین کپڑے جو انسان کے پاس موجود ہوں، ان کو پہنے، تحفے اور ہدیے کا تبادلہ کرے۔ دوست احباب کو گھر بلانا، تحائف کا تبادلہ کرنا خود آپ ﷺ کی تلقین ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: (تَهادُوا تَحابُوا)[16]

آپس میں تحفہ دو تو محبت بڑھتی ہے۔

ایک دوسرے کو گھروں میں بلاؤ، ایک دوسرے کی خدمت میں ہدیہ پیش کرو، چاہے کوئی معمولی چیز ہو۔ ضروری نہیں کہ کوئی قیمتی چیز ہی ہدیہ میں پیش کی جائے تو محبت بڑھتی ہے اور معمولی ہو تو نہیں بڑھتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لاتحقرن جارۃ لجار تھا ولو بفرسن شاۃ (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقۃ ولو بالقلیل، رقم ۲۳۷۶)۔ یہاں نون تاکید ثقیلہ ہے جس میں زیادہ تاکید ہے۔ اس کا ترجمہ انگریزی یا اردو میں نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ ایسے الفاظ اردو یا انگریزی میں موجود نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی پڑوسی کسی پڑوسی کے ہدیے کو حقیر نہ جانے۔ اگر ایک بکری کا کھر بھی تحفے میں آئے تو اس کی قدر کرنی چاہیے، اس کو ہدیہ سمجھنا چاہیے، اسے قبول کرنا چاہیے، اس لیے کہ اگر قدر جذبے کی ہے تو جذبے میں قیمت نہیں دیکھی جاتی۔ قیمت اس گلاس کی پچاس روپے ہے یا وہ دو روپے کا مٹی کا پیالہ ہے، اگر کسی نے محبت سے پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی کا گلاس پیش کیا ہے تو اصل قدر اس محبت اور جذبے کی ہے اور اس احساس کی ہے جو اس کے دل میں پیدا ہوا کہ آپ کو وہ چیز پیش کرے، آپ کے ساتھ شیئر (Share) کرے۔ وہ ایک لاکھ روپے کی ہو،

ایک روپے کی ہو، ایک پیسے کی ہو، دو پیسے کی ہو۔ اس لیے انسان کے جو بھی وسائل ہیں، کم ہیں یا زیادہ ہیں، اس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہدیے کا تبادلہ کرنا تفریح کا ایک حصہ ہے اور خوشی و مسرت کے اظہار کا اسلامی اور دینی طریقہ ہے۔

بعض مواقع ایسے آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شادی میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ خاندانی میں یہ تفریح کا موقع ہوتا ہے۔ شادی ہوتی ہے تو لوگ خوشی کا اظہار کرتے ہیں، گھر میں جمع ہوتے ہیں، لیکن جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کے اظہار کی تلقین فرمائی، وہاں اس میں ایک بڑے رجحان کو آپ نے روکا۔ بڑا رجحان ہوتا ہے اور یہ نفس کا ایک دھوکہ ہوتا ہے کہ جی، ایک ہی بیٹا ہے، اس کے ارمان نکالنے ہیں۔ ارمان بھی نکالنے ہیں اور ہر چیز کا جنازہ بھی نکالنا ہے۔ سب اکھڑ جاتا ہے، سب ختم ہو جاتا ہے کہ جی، ایک بچہ ہے، اس کے ارمان نکالنے ہیں۔ خاص طور پر بوڑھے لوگوں کا یہ خیال، نانی دادی ہوں کہ جی ہمارا ایک ہی پوتا ہے، اس کے بعد کیا ہے۔ اس میں جو بھی راز ہے، سب ظاہر ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے طرز عمل سے اپنے صحابہ کی تربیت سے ایسی مثال پیش کی کہ آج ہمارے قریب ترین لوگوں میں بھی کوئی کرے تو شاید لوگ ناراض ہو جائیں۔

صحابہ کرامؓ میں سے اول درجہ کس کا ہے؟ عشرہ مبشرہ کا ہے۔ دس وہ صحابہ کرام جن کو اس دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی گئی اور ان صحابہ کا جن کو حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی جانشینی کے لیے نامزد کیا کہ یہ چھ آدمی میرے جانشین ہو سکتے ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں سے حضرت عبد الرحمن بن عوف وہ صحابی ہیں جو ہجرت حبشہ کے موقع پر چند سرداروں میں سے بنا کر بھیجے گئے۔ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ ہجرت کر کے مدینہ آگئے۔ آپ اس زمانے کا تھوڑا تصور ذہن میں لائیں۔ تیرہ سال اپنے گھر میں اپنے وطن میں Persecute ہو رہے ہیں اور پریشان کیا جا رہا ہے، کچلا جا رہا ہے۔ پھر خدا خدا کر کے ایک ٹھکانہ مل جاتا ہے، سب گھر بار چھوڑتے ہیں۔ کسی نے کاروبار چھوڑا، کسی نے جائیداد چھوڑی۔ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ مکہ کے لکھ پتی آدمی تھے، صف اول کے پیسے والوں میں تھے۔ سب کاروبار چھوڑ کر تن تنہا مدینہ چلے آئے۔ وہاں جا کر ایک انصاری کے گھر میں بیٹھ گئے۔ انصاری نے کہا کہ میری زمین ہے، آدھی لے لو، کچھ یہ کرو، وہ کرو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، مجھے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے بازار کا راستہ بتاؤ۔ دو چار دن بازار میں پھرے، کاروبار کیا۔ اللہ نے صلاحیت دی تھی، کاروبار شروع کر دیا۔

عبد الرحمن بن عوفؓ چند دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں آئے۔ ایک دن آئے تو ذرا نئے کپڑے پہنے ہوئے تھے، خوشبو لگی ہوئی تھی اور مہندی کا نشان شاید ہاتھ یا پاؤں میں یا جہاں بھی ہوگا، دکھائی دے رہا تھا۔ اثر صفرۃ (زردی کا نشان) کے الفاظ آئے ہیں۔ آپ نے پوچھا، کیا بات ہے عبد الرحمن؟ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، میں نے شادی کر لی ہے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف بلایا نہیں بلکہ بتایا بھی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ نہیں کہ اچھا اتنی طوطا چشمی، اتنی بے وفائی کہ یہاں آ کر میں نے سارا ٹھکانا دیا، میں لے کر آیا، میں نے لوگوں کے یہاں ٹھہرایا، مواخات کرائی، میرے کہنے پر لوگوں نے کاروبار میں شریک کیا اور ہمیں پوچھا بھی نہیں۔

آج اگر یہ ہو توری ایکشن ہو گا کہ اچھا جی، کاروبار میں اتنے مگن ہوئے کہ ہمیں بھول ہی گئے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں کہا۔ نہ انہوں نے محسوس کیا کہ بلانا ضروری ہے، نہ حضور نے سمجھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

عَلَى كَمْ تَزَوَّجْتَهَا يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ؟» قَالَ: عَلَى نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ: «أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ»[17]

آپ نے کتنے مہر کے عوض نکاح کیا؟۔ انھوں نے جواب دیا: سونے کی ایک ڈلی کے عوض۔ آپ نے فرمایا: ولیمہ ضرور کرنا، خواہ ایک بکری ہی کیوں نہ ہو۔

خوشی کا حکم دیا کہ اس کو Celebrate کرو، خوشی مناؤ، چاہے ایک بکری ذبح کر لو۔ اس واقعے پر جتنا غور کریں، اسلام میں شریعت کی ساری حدود سامنے آتی ہیں۔ اعتدال اور توازن کہ جتنے وسائل ہیں، ان کے اندر رہو، غیر ضروری طور پر اس کو مت پھیلاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس ایک بکری ذبح کر لو اور اس ایک بکری میں جتنے لوگوں کو شریک کر سکتے ہو، کرو۔ ویسے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے رہے ہیں کہ دعوت کرو، لوگوں کو بلاؤ۔ اس میں بعض اوقات لوگوں کے وسائل ہوتے ہیں، بعض اوقات نہیں ہوتے۔ اگر اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ عبد الرحمن! مجھے بھول گئے، مجھے نہیں بلایا تو یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان نہ ہوتی، اس لیے کہ اس سے یہ سمجھا جاتا کہ اپنے دینی قائد کو اپنی تقریب میں بلاؤ، یہ بلانا مستحب اور پسندیدہ ہے۔ اب کون مسلمان ایسا ہو تا مدینہ میں، مکے میں، اس کے قرب وجوار میں جس کے ہاں شادی ہوتی، تقریب ہوتی اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ بلاتا؟ ہر ایک بلاتا۔ کسی کے پاس اتنے پیسے بھی نہ ہوتے جتنے حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کے پاس تھے، کسی کے ہاں پانی پلانے کے لیے مٹی کا پیالہ بھی نہ ہوتا تو وہ کیا کرتا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کوئی لفظ بغیر وحی کے نکلتا ہی نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى[18] تو یہ بھی نہیں کہا کہ بلایا کیوں نہیں۔ اتنا کہنے سے بھی ایک طریقہ ایسا قائم ہو جاتا کہ آئندہ آنے والوں کے لیے اس لفظ سے بھی مشکلات پیدا ہو جاتیں، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی نہیں فرمایا۔

تیسری بنیادی حد یہ ہے کہ شریعت کے جو بنیادی مقاصد ہیں، وہ نظر انداز نہ ہوں۔ شریعت کے جو اہم Objectives ہیں، ان کو اگر نظر انداز کر کے تفریح کی جائے تو وہ تفریح شریعت کی حدود سے متجاوز ہے۔ اسلام نے انسان کو کائنات کے اندر سب سے اونچا مقام دیا ہے۔ اتنا اونچا مقام دیا ہے کہ خالق کائنات کے بعد سب سے اونچا مقام انسان کا ہے۔ انسان جسمانی طور پر تو بہت چھوٹی مخلوق ہے۔ آپ پوری کائنات میں ذرا غور کریں تو ہماری حیثیت وہ بھی نہیں ہے جو سمندر کے کنارے پر پڑے ریت کے کسی ذرے کی ہوتی ہے۔ جسمانی طور پر ہماری حیثیت وہ بھی نہیں، لیکن اللہ نے قوت بے شمار رکھی ہے، صلاحیتیں بے شمار دی ہیں۔ آزادی اور فیصلے کی نعمت سے نوازا ہے، اچھے اور برے کی تمیز کی صلاحیت دی ہے۔ یہ باقی مخلوقات کو حاصل نہیں ہے۔ اس لیے اس کا درجہ اللہ نے اپنے بعد سب سے اونچا رکھا ہے۔ باقی ساری مخلوقات اس کے نیچے ہیں۔ یہ سب مخلوقات سے اوپر ہے اور خالق کائنات سے نیچے۔ ظاہر ہے جب درجہ اتنا اونچا ہے تو مقاصد بھی اتنے اونچے ہیں۔ خلافت ارضی سے اس کو نوازا ہے۔ خالق کائنات کی مرضی سے زندگی گزارنے کا یہ پابند ہے۔ اس کی مرضی کا عملی

ترجمان بن کر اس کو دکھانا ہے کہ خالق کائنات جس طرح کا انسان چاہتا ہے، اس طرح کا انسان بننا ہے اور پھر دوسروں کے لیے اس کو معلم بنا کر بھیجا گیا۔ جو حیثیت پیغمبر کی اپنی قوم میں ہوتی ہے، وہ حیثیت امت مسلمہ کی بقیہ اقوام میں ہے۔ یہ آپ نے قرآن پاک میں پڑھا ہو گا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ[19]

تم لوگوں کے مقابلے میں گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے، یعنی جو Relationship کی نوعیت تمہاری اور پیغمبر کی ہے، وہی نوعیت تمہاری اور بقیہ انسانوں کی ہے۔ اب اتنے اونچے مقام کو چھوڑ کر آپ نے تفریح کا کوئی ایسا طریقہ اختیار کر لیا جس میں یہ سب بھول جائیں کہ آپ کس کام کے لیے آئے تھے، کس کام کے لیے بھیجے گئے تھے تو یہ چیز ایک عام عقل کے بھی خلاف ہے اور شریعت کے بھی خلاف ہے۔

تفریح کے فوائد

جہاں تک تفریح کے فوائد کا تعلق ہے، تو اگر عمیق نظروں سے دیکھا جائے تو انسان کے اندر مختلف خصائص پیدا کرنے والی چیز تفریح ہی ہے۔ جس کی مدد سے انسان میں بہت ساری صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں۔ انسانی صلاحیتوں میں مثبت پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ ان کے اندر خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے اور مل جل کر کام کرنے کا جذبہ بیدار رہتا ہے۔ اسی وجہ سے Dr , Earle F.Zaiegler کہتے ہیں:

Recereation assists man to become an Artist in living.[20]

''تفریح آدمی کو فنکارانہ انداز میں زندگی گزارنے میں مدد دیتی ہے''۔

خلاصہ بحث

1. اسلام نے اس بات کا پورا خیال رکھا ہے کہ عورتوں کو بھی تفریحی مواقع فراہم کیے جائیں۔ ان کے ساتھ صرف عورت ہونے کی بنیاد پر ناانصافی نہ ہونے پائے۔ نہ اس کی صلاحیتیں کچلی جائیں اور نہ اس کی شخصیت کو دبایا جائے۔ 2. اسلام نے جن تفریحی سرگرمیوں کو مشروع کیا، ان کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحت مند ہوں۔ ان سے کسی دوسرے کا مذاق اور تمسخر نہ اڑایا جاتا ہو اور وہ صداقت پر مبنی ہوں۔ جھوٹ کے شائبے سے دوسروں کو انٹرٹین کرنے والی سرگرمیوں کی اسلام حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ 3. تیر اندازی اور نشانہ بازی، گھڑ سواری، دوڑ لگانا، بیوی کے ساتھ بے تکلفانہ کھیل، نیزہ بازی، تیراکی، کشتی، کبڈی، مذکورہ تمام کھیل چوں کہ احادیث و آثار سے ثابت ہیں اس لیے ان کے جواز بلکہ استحباب میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا، اور کبڈی کا حکم بھی کشتی کی طرح ہے۔ البتہ ان کھیلوں میں شرعی موانع سے بچنا لازمی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

[1] ۔ابن منظور، محمد بن مکرم، **لسان العرب**(بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2001)، 2:593۔

Ibn e Manẓūr, Muḥammad Bin Mukarram, *Lisān Al-ʿarab*(Beīrūt: Dār Al-Kutub Al-'Ilmīyaḥ, 2003),2:593.

[2] ۔ النسائی، احمد بن شعیب، ابو عبد الرحمن، **السنن الکبریٰ**(بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1995)، رقم:8917۔

Al-Nisa'ī, Aḥmad ibn Shoʻaib, Abūu Abdul Raḥmān, *Al-Sunan Al-Kubra* (Baīrūt:Dār Al-Kutub Al-ʿilmiya,1995 AH),NO:8917.

[3] ۔النساء 4 :142

An-Nisa, 4: 142.

[4] ۔ترمذی، امام ابو عیسی محمد بن عیسی، **سنن ترمذی**، (لاہور، مکتبہ بیت السلام، 2017)، رقم:1991۔

Tirmadhī, Muḥammad ibn 'Isa, *Sunan Tirmidhī,* (Lāḥore, Maktab Bait-al-Salām, 2017), No. 1991.

[5] ۔ابو داؤد سلیمان بن الاشعث، سنن ابو داؤد (بیروت: المکتبۃ العصریۃ، س۔ن)، رقم:1992.

Abū Dā'ūd Sulaīmān Bin Al-Ashʿath,*Sunan Abū Da'ūd*(Beīrūt:Al-Maktaba Al-Aṣriyya,n.d.),No: 1992.

[6] ۔ولی الدین تبریزی، **مشکاۃ المصابیح**(لاہور، مکتبہ رحمانیہ، س ن) رقم:4886۔

Walī al Dīn Tabrīzī, *Mishkāt al Maṣabīḥ* (Lahore, Maktab Rahmaniya, S.N.), No: 546.

[7] ۔البغوي، حسین بن مسعود، **شرح السنۃ**(بیروت: المکتب الاسلامی، 1403)، 13:183۔

Al-Baghawī, Hussaīn bin Mas'ūd, *Sharh al-Sunnah* (Baīrūt: Al-Maktab Al-Islāmī, 1403),183:13.

[8] ۔التمیمی، منصور بن محمد المروزی، **تفسیر القرآن**(الریاض: دار الوطن، 1418)،2:333۔\

Al-Tamīmī, Manṣūr ibn Muḥammad al-Marwazī, Tafsīr al-Qurān (Riyādh: Dār al-Waṭan, 1418), 333: 2.

[9] ۔یونس:58

Yūnus:58

[10] ۔آلِ عمران:170

ʾāli ʿimrān: 170

[11] ۔القضاعی، محمد بن سلامۃ المصری، **مسند الشھاب**، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1407ھ)1:392۔

Al-Quda'ī, Muḥammad ibn Salamat al-Maṣrī, *Musnad al-Shehāb* (Beīrūt: Mu'assasa Al-Risālah, 1407 AH) 392: 1.

[12] ۔القرطبی، یوسف بن عبد اللہ، **جامع بیان العلم وفضلہ** (السعودیۃ: دار ابن الجوزی، 1414ھ) رقم:659۔

Al-Qarṭabī, Yūsuf bin 'Abdullah, *Jāmy' Bayān al-' Ilam wa Fadhliḥ*(S'aūdiaḥ: Dār Ibn Al-Jawzī, 1414 AH) No.: 659.

[13] ۔سورۃ یونس:58

Yūnus:58

[14] الضحیٰ:11

Al-Ḍuḥā,11.

[15] ۔طبرانی، سلیمان بن احمد، **معجم الاوسط**(بیروت، دار لکتب العلمیہ 1999ء)، رقم:7240۔

Al-Ṭabrānī, Sulaimān bin Aḥmad, al-Mu'jam al-Aūasaṭ (Baīrūt:Dār Al-Kutub Al-ʿilmiya, 1999), No. 7240.

[16]۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، **الآدب المفرد بالتعلیقات**، (الریاض:مکتبۃ المعارف،1419ھ)، 1 :306۔

Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Isma'il, *Al-Adab Al-Mufrid Bit'aliqāt*(Riyādh: Maktab Al-Ma'ārif, 1419 AH), 306: 1.

[17]۔ محمد بن ادریس، الشافعی، **مسند الشافعی**(بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1951ء)، 1 :246 ۔

Al-Shafi'i, Muhammad ibn Idris, Musnad al-Shafi'i (Beirut: Dar Al-Kitab Al-Alamiya, 1951), 1:246.

[18]۔ النجم: 3, 4

al-Najm : 3, 4

[19]۔ البقرۃ2:143

Al-Baqaḥraḥ, 2:143.

[20].Zaigler, Adminixcration of Physical educl Education and Athlectics, P.41